ترکمنستان کے بلوچ

تقریباً چار لاکھ اٹھاسی ہزار مربع کلومیٹر پر محیط سابق سوویت جمہوریہ اور "آزاد ریاستوں کی دولتِ مشترکہ" (CIS) کی ایک رکن ریاست "ترکمنستان" وسطی ایشیا کے جنوب مغربی حصے میں واقع ہے۔ اس کے شمال میں ازبکستان، شمال مغرب میں قازقستان اور مغرب میں بحیرۂ کیسپین ہے۔ جنوب میں اس کی سرحد ایران سے اور جنوب مشرق میں افغانستان سے ملتی ہے۔ جنوری ۱۹۹۱ء کے سرکاری اندازے کے مطابق آبادی ۳۷ لاکھ سے زائد ہے۔ غالب اکثریتی قومیت ترکمن یا ترکمان ہے جو ۱۹۸۹ء کے اعداد و شمار کے مطابق کل آبادی کا ۷۲ فیصد ہے۔ باقی قومیتوں میں روسی (۱۰ فیصد)، ازبک (۹ فیصد)، قازق (۳ فیصد) اور یوکرینی (ایک فیصد) ہیں۔ ان کے علاوہ چھوٹی چھوٹی قومیتیں آبادی کا ۶ فیصد ہیں۔ ان مؤخرالذکر چھوٹی قومیتوں میں سے ایک بلوچ یا بلوچی ہیں۔

عام طور پر بلوچ آبادی، پاکستان کے صوبہ بلوچستان، جنوب مشرقی ایران اور جنوب مغربی افغانستان کے باہم دگر متصل علاقوں کے حوالے سے پہچانی جاتی ہے، مگر ان علاقوں سے باہر بھی بلوچ قبائل آباد چلے آرہے ہیں۔ پاکستان کے صوبہ سندھ اور صوبہ پنجاب میں بھی بلوچ آباد ہیں، اگرچہ ان کا بڑا حصہ اپنے آباءواجداد کی زبان و ثقافت کی نسبت مقامی سندھی اور پنجابی طرزِ زندگی اختیار کر چکا ہے۔ اسی طرح خلیج فارس کی عرب امارات میں بلوچ موجود ہیں جو کئی نسلوں سے ان امارات میں سکونت پذیر ہونے کے باعث عرب آبادی کا حصہ بن گئے ہیں، تاہم بڑے فخر سے اپنا نسبی اور قبائلی تعلق صوبہ بلوچستان اور ایران کے بلوچوں سے جوڑتے ہیں۔ ان امارات میں تیل کی دریافت کے بعد ماضی قریب میں جو بلوچ بسلسلہ روزگار گئے، اُن کا اپنے اصل ممالک سے تعلق قائم ہے اور اُن کی آمدورفت جاری رہتی ہے۔ ترکمنستان میں مختصر سی بلوچ آبادی ہے جو ۱۹۸۹ء میں بیس ہزار کے لگ بھگ تھی۔

اطلاعات کے مطابق ترکمنستان کے بلوچوں کا تعلق زیادہ تر افغانستان کے صوبہ نیمروز سے ہے۔ کچھ بلوچ اپنے آباءواجداد کا تعلق "سیستان" (ایران) سے بتاتے ہیں۔ اُن کا تعلق مختلف قبائلی گروہوں (طائفوں) سے ہے۔ انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے آغاز میں ترکمنستان آنے والے ان بلوچ طائفوں کے ساتھ قدیم دراوڑی قبیلے براہوئی کے کچھ افراد بھی چلے آئے تھے جو وقت کے ساتھ زبان و تمدّن کے اعتبار سے اس طرح اُن میں گھل مل گئے ہیں کہ آج وہ بلوچ آبادی کا غیر منفک حصہ ہیں۔ افغانستان اور ایران سے نقل مکانی کر کے آنے والے ان گروہوں کا تعلق معاشی اور سماجی اعتبار

سے غریب ترین کسانوں اور گلہ بانوں سے تھا اور بظاہر یہ لوگ غربت سے نجات پانے یا اپنے سخت گیر قبائلی سرداروں کی گرفت سے بچنے کے لیے ترکمنستان آئے تھے۔

۱۹۲۶ء میں بلوچ آبادی ۹۹۷۴ تھی مگر ۱۹۵۹ء میں اُن کی تعداد کم ہو کر ۷۸۴۲ رہ گئی۔ اس کمی کا سبب اولاً بلوچ آبادی کا یہ رجحان تھا کہ یہ لوگ اپنی شناخت بطور ترکمن کرانے لگے تھے۔ ثانیاً سوویت دور کی منصوبہ بندی اور اجتماعی کاشتکاری کا نظام اُن کی روایات سے لگا نہیں کھاتا تھا، چنانچہ بلوچ آبادی کا کچھ حصہ واپس افغانستان چلا گیا۔

انقلاب اکتوبر (۱۹۱۷ء) کے وقت بلوچ آبادی کا کچھ حصہ حسبِ سابق خانہ بدوشی کی زندگی گزار رہا تھا اور کچھ ترکمن کسانوں کی زمینوں پر بطور کھیت مزدور کام کرتا تھا یا بیرم علی نظامِ آبپاشی کی تعمیر میں شریک ہو کر روٹی کما رہا تھا۔ ان کی سماجی تنظیم افغانستان اور ایران کے بلوچ معاشرے جیسی تھی۔ نسبی اعتبار سے باہم دگر وابستہ خاندان ایک "طائفہ" میں شامل تھے اور متعدد طائفوں کا ایک سردار ہوتا تھا جو "خان" کہلاتا تھا اور خان کو اپنی رعایا پر غیر محدود اختیارات حاصل تھے۔ "خان" کی موت پر اُس کے بڑے بیٹے کو یہی منصب حاصل ہو جاتا تھا۔ انقلاب کے فوراً بعد بلوچ آبادی کا غالب حصہ ایران اور ترکمنستان کی سرحد پر سرخس کے علاقے میں مرکوز تھا۔ اگر اُنھیں ترکمنستان کی حکومت سے خطرہ ہوتا تو باسانی اپنے ریوڑ ہانک کر ایران چلے جاتے تھے اور اسی طرح اگر ایرانی حکام اُن کا پیچھا کرتے تو ترکمنستان میں پناہ لے لیتے تھے۔ اپنی آزادانہ طرزِ زندگی اور سخت حکومتی ضابطوں کی خلاف ورزی کرنے کے باعث ترکمنستان اور ایران دونوں حکومتوں کے غصّے کا مرکز تھے۔

اس دور میں بلوچوں کا سردار کریم خان نمایاں ہوا۔ ترکمنستان کے جملہ بلوچوں نے اُسے اپنا "خان" تسلیم کر لیا تھا۔ اگرچہ کریم خان کا تعلق ایک معمولی طائفے سے تھا مگر اُس نے اپنی ذہانت اور مہارت سے بلوچوں کی سربراہی حاصل کی۔ بڑی تعداد میں بکریوں اور بھیڑوں کے ریوڑ کا مالک تھا اور پُر شکوہ خیمے میں رہتا تھا۔ ایک بڑے "خان" کے شایان شان جملہ سہولتیں اُسے حاصل تھیں۔ چھوٹے درجے کے بلوچ رہنما اُس سے احکامات لیتے اور اُس کے نام پر ٹیکس جمع کر کے اُسے پہنچاتے تھے۔ کریم خان کی ابتدائی قوت اور مقبولیت کا ایک سبب سوویت حکمرانوں کا اُس کی جانب دوستانہ روّیہ تھا۔ کریم خان نے نہ صرف بصماچی تحریک میں شمولیت نہ کی بلکہ بصماچی رہنماؤں کی مخالفت میں پیش پیش رہا۔

سوویت حکام نے بصماچی تحریک پر قابو پانے کے بعد بلوچوں کی جانب توجہ دی اور اُنھیں خانہ بدوشانہ طرزِ زندگی چھوڑ کر نہری علاقوں میں کھیتی باڑی پر آمادہ کیا، تاہم خانہ بدوشانہ اور آزادانہ طرزِ زندگی کی جگہ سخت قوانین وضوابط کے تحت زندگی بسر کرنا بلوچوں کے مزاج کے مطابق نہ تھا چنانچہ اُنھیں زمینیں دی جاتی رہیں اور وہ کسی نہ کسی بہانے نئی منضبط طرزِ زندگی سے بچتے رہے تاہم آخر الامر

سوویت حکام انہیں قوانین کا خوگر بنانے میں کامیاب ہو ہی گئے۔ اُن کے قبائلی طرزِ زندگی پر ۱۹۳۰ء میں کاری ضرب لگی جب "خان" کا منصب ختم کر دیا گیا۔ کریم خان اُس وقت اپنے پیروکاروں میں اتنے مقبول تھے کہ کپاس کے اجتماعی کھیتوں میں کام کرنے والے بلوچ اُسے باقاعدہ ٹیکس ادا کرتے تھے جو بوقتِ ضرورت بلوچ آبادی میں تقسیم کیا جاتا تھا، تاہم ۱۹۳۲ء میں کریم خان بہت سے خاندانوں کے ہمراہ ترکمنستان سے ترکِ سکونت کر کے افغانستان چلا گیا۔ اِس کے بعد کچھ عرصہ یہ سلسلہ چلتا رہا اور اِس طرح بلوچ آبادی میں قابلِ ذکر کمی آ گئی۔

۱۹۷۰ء میں بلوچ آبادی ۱۲،۵۸۲ اور ۱۹۷۹ء میں بڑھ کر ۱۸،۹۹۷ ہو گئی۔ بلند شرح افزائش کے باعث ۱۹۸۹ء میں بلوچ آبادی بیس ہزار سے زائد ہو چکی ہے تاہم سرکاری اعداد و شمار انہیں بیس ہزار کے لگ بھگ بتاتے ہیں۔ ان دنوں بلوچ آبادی میں سے تقریباً ۹۰ فیصد دیہات میں آباد ہے اور باقی ماندہ دس فیصد شہروں میں سکونت پذیر ہے۔

جب بلوچ ترکمنستان آئے تو ان میں خواندگی نہ ہونے کے برابر تھی۔ بااثر خوانین نے اپنی آبادیوں میں مکتب قائم کیے مگر طلبہ کی تعداد محدود رہی۔ بلوچی زبان کے لیے لاطینی رسم الخط اختیار کیا گیا اور ابتدائی قاعدہ اور ایک دو درسی کتابیں بھی لکھی گئیں مگر بلوچی زبان ذریعۂ روزگار کے حوالے سے مددگار نہ تھی چنانچہ ۱۹۳۵ء میں بلوچی کی تعلیم کی بساط لپیٹ دی گئی اور بلوچ بچوں اور نوجوانوں نے ترکمن مدارس میں پڑھنا شروع کر دیا۔ آج بلوچی تحریری زبان نہیں ہے، اگرچہ بلوچی آبادی میں بولی جاتی ہے۔ لہجے کے اعتبار سے اس کا تعلق خراسان کی بلوچی سے ہے۔ گزشتہ پچاس ساٹھ سال کے عرصے میں بلوچی میں روسی اور ترکمن زبانوں کے بیسیوں الفاظ شامل ہو گئے ہیں۔ آج جب بلوچ، باقی ترکمن آبادی کی طرح تقریباً سو فیصد پڑھے لکھے ہیں، اپنی ادبی اور تحریری زبان کے طور پر "ترکمن" یا روسی استعمال کرتے ہیں۔

بلوچ پاکستان، افغانستان اور ایران کے اپنے بھائی بندوں کی طرح سو فیصد اہل سنت ہیں اور حنفی مکتبِ فکر سے تعلق رکھتے ہیں۔ اِن دنوں بلوچ آبادی کپاس اگانے کے اجتماعی فارموں میں کام کرتی ہے اور قراقل بھیڑیں پالتی ہے۔ بلوچ اجتماعی فارموں میں تقریباً ستر فیصد کپاس کے لیے مخصوص ہیں۔ بلوچ زراعت میں اُسی طرح مشینوں کا استعمال کر رہے ہیں جیسے ترکمنستان میں بحیثیت مجموعی کیا جا رہا ہے اور وہ بحیثیت مجموعی اقتصادی اعتبار سے ترکمن آبادی کے ہم پلہ ہیں۔

بلوچ جدید طرزِ زندگی اپنانے کے باوجود اپنی بعض روایات قائم رکھے ہوئے ہیں۔ مردوں میں بزرگ اور مذہبی طبقہ روایتی لباس پہنتا ہے مگر عام آدمی یورپی لباس اختیار کر چکا ہے، تاہم سر پر قراقلی ٹوپی لازمی ہوتی ہے۔ خواتین جزوی تبدیلیوں کے ساتھ سختی سے روایتی لباس پہنتی ہیں، سر ڈھانک کر گھر سے باہر نکلتی ہیں اور بلوچی خواتین، چاہے وہ شہری زندگی کی عادی ہی کیوں نہ ہوں یورپی طرز کے اوور کوٹ استعمال نہیں کرتیں۔